شانتی

مرحوم دیوناتھ میرے دوستوں میں سے تھے۔ جب انکی یاد آجاتی ہے تو وہ رنگ رلیاں آنکھوں میں پھر جاتی ہیں اور کہیں تنہائی میں جا کر ذرا دیر رو لیتا ہوں۔ میرے اور انکے درمیان دو اڑھائی سو میل کا فاصلہ تھا۔ میں لکھنؤ میں تھا، وہ دہلی میں۔ لیکن شاید ہی کوئی ایسا مہینہ جاتا کہ ہم آپس میں نہ مل لیتے ہوں۔ وہ نہایت شریف، محبت نواز اور دوستوں پر جان دینے والے آدمی تھے۔ جنہوں نے اپنے اور پرائے میں کبھی امتیاز نہیں کیا۔ دنیا کیا ہے اور یہاں شرافت و محبت کا صلہ کیا ملتا ہے، انہوں نے کبھی نہ جانا اور نہ جاننے کی کوشش کی۔ ان کی زندگی میں کئی ایسے موقع آئے جب انہیں آئندہ کیلیے ہوشیار ہو جانا چاہیئے تھا۔ دوستوں نے انکی صاف دلی سے نامناسب فائدہ اٹھایا اور کئی مرتبہ انہیں شرمندہ بھی ہونا پڑا۔ لیکن اس بھلے آدمی نے زندگی سے سبق لینے کی قسم کھائی تھی، انکے طرزِ عمل میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ جیسے بھولا ناتھ جئے ویسے ہی بھولا ناتھ مرے۔

جس دنیا میں وہ رہتے تھے وہ نرالی دنیا تھی جس میں بدگمانی و چالاکی اور بغض و حسد کیلیے گنجائش نہ تھی۔ سب اپنے تھے، کوئی غیر نہ تھا۔ میں نے بار بار انہیں متنبہ کرنا چاہا لیکن اسکا نتیجہ امید کے خلاف برآمد ہوا۔ زندگی کے خوابوں کو پریشان کرتے ہوئے انکا دل دکھتا تھا۔ مجھے کبھی فکر ہوتی تھی کہ انہوں نے ہاتھ بند نہ کیا تو نتیجہ کیا ہوگا۔ مصیت یہ تھی کہ انکی بیوی گوپا بھی کچھ اسی سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی۔

ہماری دیویوں میں جو ایک مآل اندیشی ہوتی ہے اور اڑاؤ مردوں کی غیر مآل اندیشیوں کیلیے بنک کا کام کرتی ہیں، اس سے گوپا محروم تھی۔ یہاں تک کہ اسے کپڑوں اور زیوروں کا بھی شوق نہ تھا۔

جب مجھے دیوناتھ کے انتقال کی خبر ملی اور میں بھاگا ہوا دہلی گیا تو گھر میں برتن بھانڈے کے سوا اور کوئی سامان نہ تھا۔ ابھی مرحوم کی عمر ہی کیا تھی جو زیادہ فکر کرتے۔ پورے چالیس کے بھی تو نہ ہوئے تھے۔ یوں تو لڑکپن انکی سرشت میں داخل تھا لیکن اس عمر میں سب ہی لوگ بے فکر ہوتے ہیں۔ پہلے ایک لڑکی ہوئی تھی اسکے بعد دو لڑکے ہوئے، دونوں لڑکے بچپن ہی میں داغ دے گئے، لڑکی بچ رہی تھی۔

جس طرزِ معاشرت کے وہ عادی تھے اسے دیکھتے ہوئے اس مختصر کنبے کیلیے دو سو روپے ماہوار کی ضرورت تھی۔ دو تین سال میں لڑکی کا بیاہ بھی کرنا ہوگا، ایسے کیا ہوگا میری عقل کام نہ کرتی تھی۔

اس موقع پر مجھے یہ بیش قیمت تجربہ ہوا کہ جو لوگ خدمتِ خلق کرتے ہیں اور ذاتی مفاد کو اپنی زندگی کا مقصد نہیں سمجھتے، انکے پس ماندوں کو آڑ دینے والوں کی کبھی کمی نہیں رہتی۔ یہ کوئی قاعدہ نہیں ہے کیونکہ میں نے ایسے لوگوں کو بھی دیکھا ہے جنہوں نے زندگی میں بہتوں کے ساتھ سلوک کیے لیکن انکے بعد انکے بال بچوں کی کسی نے بات تک نہ پوچھی۔ لیکن چاہے کچھ ہو، دیوناتھ کے دوستوں نے شرافت سے کام لیا اور گوپا کی بسر اوقات کیلیے روپیہ جمع کرنے کی تجویز کی۔ ایک صاحب جو رنڈوے تھے اس سے بیاہ کرنے کو بھی تیار تھے لیکن گوپا نے اسی جذبے کا اظہار کیا جو ہماری دیویوں کا جوہر ہے اور تجویز

کو رد کردیا۔ مکان بہت بڑا تھا اسکا ایک حصہ کرائے پر اٹھا دیا۔ اسطرح پچاس روپے ملنے لگے۔ وہ اتنے ہی میں اپنا نباہ کرلے گی، جو کچھ خرچ تھا وہ اسی کی ذات سے تھا۔

اس کے ایک مہینے بعد مجھے کاروبار کے سلسلے میں غیر ممالک جانا پڑا اور وہاں میرے اندازے سے کہیں زیادہ دو سال لگ گئے۔ گوپا کے خط برابر جاتے رہتے تھے جن سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ آرام سے ہے، کوئی فکر کی بات نہیں۔ مجھے بعد میں معلوم ہوا گوپا نے مجھے غیر سمجھا اور صحیح حالت چھپاتی رہی۔

پردیس سے لوٹ کر میں سیدھا دہلی پہنچا۔ دروازے پر پہنچتے ہی مجھے رونا آگیا، موت کی افسردگی طاری تھی۔ جس کمرے میں دوستوں کے جمگھٹ رہتے تھے اس کے دروازے بند تھے۔ مکڑیوں نے چاروں طرف جالے تان رکھے تھے۔ پہلی نظر میں تو شبہ ہوا کہ دیوناتھ دروازے پر کھڑے میری طرف دیکھ کر کچھ کہہ رہے ہیں۔ میں توہم پرست نہیں ہوں اور اجسام روحانی کا بھی قائل نہیں ہوں لیکن اس وقت میں ایک بار چونک ضرور پڑا۔ دل میں ایک لرزش سی محسوس ہوئی لیکن دوسری نظر میں یہ خیالی تصویر مٹ چکی تھی۔ دروازہ کھلا، گوپا کے سوا کھولنے والا ہی کون تھا؟

میں نے اسے دیکھ کر دل تھام لیا۔ اسے میرے آنے کی اطلاع تھی اور اس نے میرے استقبال کیلیے نئ ساڑھی پہن لی اور شاید بال بھی گوند لیے تھے پر ان دو برسوں میں وقت نے اس پر جو مظالم ڈھائے تھے انہیں وہ کیا کرتی؟ عورتوں کی زندگی میں یہ وہ عمر ہے جب حسن و شباب اپنے عروج پر ہوتا ہے۔

جب اس میں اکھڑ پن، شرم اور بے اعتنائی کی جگہ لگاوٹ، خوش ادائی اور دل آویزی آجاتی ہے۔ لیکن گوپا کی جوانی ختم ہوچکی تھی۔ اسکے چہرے پر جھریاں تھیں، بالوں میں سفیدی آگئی تھی۔

میں نے پوچھا۔ "کیا تم بیمار تھیں گوپا؟"

اس نے آنسو پی کر کہا۔ "نہیں تو، میرے تو کبھی سر میں درد بھی نہیں ہوا۔"

"تو تمھاری یہ کیا حالت ہے؟ بالکل بوڑھی ہوگئیں۔"

"تو اب جوانی لیکر کرنا ہی کیا ہے؟ میری عمر بھی تو بتیس سے اوپر ہوگئی۔"

"یہ عمر تو زیادہ نہیں ہوتی۔"

"ہاں ان کیلیے جو بہت جینا چاہتے ہوں۔ میں تو یہ چاہتی ہوں کہ جتنی جلدی ہوسکے زندگی کا خاتمہ ہو جائے۔ بس بسنتی کے بیاہ کی فکر ہے۔ اسے سے چھٹی پا جاؤں پھر مجھے زندگی کی پروا نہ رہے گی۔"

اب معلوم ہوا کہ جو صاحب اس مکان میں کرایہ دار تھے وہ ٹھوڑے دنوں بعد تبدیل ہوکر چلے گئے اور تب سے کوئی دوسرا کرایہ دار نہ آیا۔ میرے دل میں برچھی سی چبھ گئی۔ اتنے دنوں بیچاروں نے کسطرح بسر کی، خیال ہی دردناک تھا۔

(جاری ہے)